ڈاکٹر سبینہ اویس اعوان*

پاکستانی اُردو نظم میں مزاحمتی عناصر

Abstract: *Literature of any country is the vivid reflection of its society. It not only speaks for the norms and values prevalent in an age but also acts as the spokesperson of political, social, societal, economic and ideological circumstances of the same period. Urdu poem in our national literature is also the mirror image of our history. Studying history of human civilization tells us that resistance culture in a society is as old as human life itself. Brutality and movements against it had been pervasive since the very beginning of the first man on the earth. Quarrel between Qabeel and Habeel, Adam's sons is the clear example of this phenomenon. Resistance culture is still an integral part of human nature. Resistance literature is the oldest and basic genre which emerged with the creation of Pakistan. Resistance literature has also produced strong impact on Pakistani Urdu poetry. Its influence can be witnessed from poetic verses of famous poets including Faiz Ahmad Faiz, N M Rashid, Majeed Amjad, Habeeb Jalib, Ahmad Faraz, Ahmad Nadeem Qasmi, Joash Maleeh Abadi, Arif Abdul Mateen, Iftikhar Arif and Anees Nagi. Moreover, famous poetesses Kishwar Naheed, Fehmida Riaz, Parveen Shakir, Zuhra Nigar, Azhra Abbas and Shabnam Shakeel also played their role in promoting resistance literature in Urdu poetry. This article will try to locate the presence of resistant elements in Urdu poetry.*

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ادب معاشرے کا بہترین عکاس ہوتا ہے۔ ہر دور کا ادب اپنے دور کی اقدار و روایات کا ترجمان ہوتا ہے اور اس دور میں جنم لینے والے سیاسی، تہذیبی، معاشرتی، معاشی، فکری اور اقتصادی مسائل و معاملات کی ترجمانی بھی کرتا ہے۔ ادب کا سماج سے یہ مضبوط رشتہ ہی اس کی بقا کا ضامن ہے۔ پاکستانی اردو نظم بھی پاکستان پر رقم ہونے والی تاریخ کی آئینہ دار رہی ہے۔ جب کبھی زندگی کو قید اور معطل کر دینے والی قوتیں اپنا گھیرا تنگ کرتی ہیں تو ان قوتوں کے خلاف فطری رد عمل ظاہر ہوتا ہے جب تک کوئی فرد اور معاشرے ظلم اور جبر کے خلاف احتجاج بلند کرتا رہتا ہے زندہ اور پایندہ رہتا ہے کیونکہ حرفِ احتجاج زندگی کی حرارت ہے جو ادب ظلم و بربریت کے خلاف اپنے رد عمل کا اظہار نہیں کرتا کسی صورت زندہ ادب قرار نہیں دیا جا سکتا۔

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونی ورسٹی، سیال کوٹ

مزاحمتی ادب ہر اس ملک اور معاشرے میں پیدا ہوتا ہے جہاں سماج ظالم اور مظلوم میں تقسیم ہوتا ہے، جہاں سامراج کا تسلط ہوتا ہے، جہاں طبقاتی نظام کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں اور ذات پات کا فرق گہرا ہوتا ہے جہاں عوام بنیادی ضروریات اور عزت و وقار سے محروم ہوتے ہیں۔ اس صورتِ حالات میں معاشرے کے باشعور شعرا اور ادبا میں حالات کو تبدیل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے وہ معاشرے میں پیدا ہونے والے ظلم اور ناانصافیوں کو محسوس بھی کرتے ہیں اور ان کے خلاف آواز بھی بلند کرتے ہیں۔ مزاحمتی ادب تخلیق کرنے والوں کو کٹھن راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے وہ نہ صرف روحانی و جسمانی کرب سے دوچار ہوتے ہیں بلکہ انھیں اپنی جان و مال کو بعض حالات میں قربان کرنا پڑتا ہے مزاحمت کے متعلق روبینہ سہگل "عورت اور مزاحمت" میں لکھتی ہیں:

> "مزاحمت ہر ایسے عمل، سوچ، رویے یا طریقِ کار کو کہا جاسکتا ہے جو کسی ناانصافی، ظلم، تشدد بربریت یا جبر کے خلاف کیا گیا ہو۔ مزاحمت سے مراد ہے کسی چیز کو روکنا، کسی ظلم کی مخالفت کرنا، کسی ناانصافی کو برداشت کرنے سے انکار کرنا اور عملی اور متحرک انداز میں کسی ظلم کا سدباب کرنا"۔(۱)

مزاحمت یا احتجاج انسانی سرشت میں شامل ہے۔ اس کی ابتدا غالباً اسی وقت ہو گئی تھی جب فرمانِ الٰہی کے باوجود حضرت آدم نے شجرِ ممنوعہ کو ہاتھ لگایا اور معتوب ہوئے ظلم اور اس کے خلاف مزاحمت کا سلسلہ تو آدم کے دونوں بیٹوں ہابیل اور قابیل نے شروع کیا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ مزید برآں مزاحمت کی ایک صورت وہ تھی جس کے زیرِ اثر سقراط نے زہر کا پیالہ پینا گوارہ کیا مگر سچ کا دامن نہ چھوڑا۔ مزاحمت کی روایتوں کا سراغ لگاتے ہوئے ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں:

> "شاید احتجاج یا ناآسودگی کی سب سے تاریخ ساز آواز وہ تھی جو روسو کے معاہدۂ عمرانی کا سرنامہ بنی۔ انسان آزاد پیدا ہوا ہے مگر جہاں دیکھو وہ پابہ زنجیر ہے"۔(۲)

مزاحمت پاکستانی ادب کی مرکزی روایت ہے جس کی ابتدا قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی ہو گئی تھی۔ اردو نظم میں اگرچہ مزاحمت کی ایک توانا روایت ابتدا سے ہی موجود تھی اگر ہم پاکستان کے شعری ادب کے منظرنامے پر نگاہ ڈالیں تو یہاں بھی شاعروں کی تخلیقات میں مزاحمتی عناصر کا رنگ وافر مقدار میں موجود ہے مثلاً عہدِ جدید میں سامراجی اور نوآبادیاتی نظام کے خلاف ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکا کے ممالک میں آزادی کی تحریکوں میں مزاحمتی ادب نے اہم کردار ادا کیا۔ اس دور کے مزاحمتی ادب میں الجزائر، فلسطین کے حریت پسندوں کی حمایت میں لکھی گئی منظومات بھی اہم ہیں۔ 1949 میں ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس، 1951-52 میں سیفٹی ایکٹ کے تحت ادیبوں و شاعروں کی گرفتاری، 1952 میں راولپنڈی سازش کیس، 1958 میں جنرل ایوب خان کا مارشل لا، 1964 کے انتخابات، 1969 میں یحییٰ خان کا مارشل لا، بھٹو حکومت، جنرل ضیاء الحق کا مارشل لا، بے نظیر بھٹو کی بیس ماہ کی حکومت، افغانستان کا جہاد، کشمیر کا جہاد اور سیاسی عدم استحکام ایسے بڑے واقعات ہیں جن کی بدولت مزاحمتی اور احتجاجی رویوں کو فروغ ہوا۔ چونکہ پاکستان کی تاریخ کا ایک طویل عرصہ مارشل لا

کے تحت گزارا اس لیے اس طویل ترین تجربے نے مزاحمت کی لہر کو شاعری کا باقاعدہ حصہ بنا دیا۔ اس دور کی تخلیقات میں ایک طرف تو تلخی، کڑواہٹ، ملال، تذبذب، تشکیک اور مایوسی کی کیفیات موجود ہیں تو دوسری جانب اچھے دنوں کی امید اور خواب بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اس دور کی شاعری احتجاج اور ردعمل کی مختلف صورتوں کی بڑی حد تک مکمل تصویر کشی کرتی ہے۔ متعدد شاعر و ادیب ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ 1982 میں ظہیر کاشمیری کو جرأتِ اظہار کی پاداش میں ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی۔ فہمیدہ ریاض کو اس قدر تنگ کیا کہ انھیں ہندوستان میں پناہ لینی پڑی۔ مصطفیٰ زیدی کا یہ شعر اس پورے منظر نامے کو کچھ اس طرح پیش کرتا ہے:

ان گنت آہنی فصیلیں ہیں
مارشل لا سے مارشل لا تک

ہماری اردو نظم میں فیض، حبیب جالب، احمد فراز، شورش کاشمیری کی شاعری میں مزاحمت کا رنگ گہرا ہے انھوں نے شعوری طور پر پاکستان کی نامساعد سماجی و سیاسی اور معاشرتی صورتِ حالات کے خلاف احتجاج کیا۔ فیض کی شاعری مزاحمتی ادب کی عمدہ مثال ہے۔ فیض کی شاعری میں انسان کو بیدار کرنے، اسے ظُلم و جبر کا احساس دلانے کی روش موجود ہے۔ وُہ ظلم و جبر اور استحصال کی پُرزور مذمت کرتے ہیں۔

اچھی شاعری دلوں میں انقلاب برپا کرتی، جذبوں کو متحرک کرتی اور عقل کو فہم و فراست عطا کرتی ہے فیض نے اپنی تمام تر نظریاتی وابستگی کے باوجود شعریت کے اخراج سے خود کو بچا لیا انھوں نے احتجاج بھی کیا۔ بغاوتیں بھی کیں اور انقلاب کی بشارتیں بھی دیں۔ فیض ایک نرم لہجے کے مالک تھے جو تاحیات وجبر و استبداد کے خلاف قلمی جنگ میں مصروف رہے۔ ان کی شاعری حسن و صداقت کی تلاش کا نام ہے وہ ظلم و جبر، ناانصافی، عدم مساوات، محنت کش طبقہ کا استحصال، سامراجی قوتوں کے مظالم کے خلاف تھے کیوں کہ یہ تمام عناصر زندگی کا حسن ختم کر دیتے ہیں۔ انہی منفی رجحانات سے حسن و صداقت کی اقدار مجروح ہوتی ہیں فیض ظلم و جبر کے خلاف پُرامن احتجاج کرتے ہیں ان کے انقلابی خیالات گھن گرج کی صورت اختیار نہیں کرتے بلکہ یہ خاموش رہنے والوں کو بولنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول زباں اب تک تیری ہے
بول یہ تھوڑا وقت بہت ہے
جسم و جاں کی موت سے پہلے
بول کہ سچ زندہ ہے اب تک
بول جو کچھ کہنا ہے کہہ لے(۳)

مزاحمتی ادب کے حوالے سے فیض کی نظموں میں لوح و قلم، جشن کا دن، لہو کا سراغ، شورشِ بربط و نے، دلدار دیکھنا، تین آوازیں، ہم تو مجبورِ وفا ہیں، زنداں کی ایک صبح، زنداں کی ایک شام، دریچہ قابل توجہ ہیں۔ ان نظموں میں اربابِ اقتدار کی ہوس ناکیاں بھی ہیں۔ صورتِ حالات کی ہولناکیاں بھی رقم ہیں۔ علاوہ ازیں، ایمان فروش مفتیوں کو بھی ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ مایوسی بھی ہے۔ مزاحمت کا جوش وولولہ بھی اور رجائی انداز بھی۔ بعض اوقات بے انتہا ظلم و جبر سے گھبرا کر انسان اپنے خدا سے اس طرح شاکی ہے

کیا یہی کچھ قسمت میں لکھا ہے تو نے
ہر مسرت سے مجھے عاق کیا ہے تو نے
وہ کہتے ہیں تو خوشنود ہر اک ظلم سے ہے
وہ یہ کہتے ہیں ہر اک ظلم تیرے حکم سے ہے
گر یہ سچ ہے تو ترے عدل سے انکار کروں؟
ان کی مانوں کہ تری ذات کا اقرار کروں (۴)

ن۔م راشد نئی اردو نظم کے اولین معماروں میں شمار ہوتے ہیں۔ راشد کا مزاحمتی تیور ان کے اولین شعری "ماورا" میں شامل نظمیں "انسان"، "شاعر"، "درماندہ"، "سیاہی"، "دریچے کے قریب"، "شرابی" میں دکھائی دیتا ہے۔ علاوہ ازیں "ایران میں اجنبی" کی متعدد نظمیں نو آبادیاتی جبر کا شکار عوام کے جذبات کی ترجمان ہیں یہ وہ دور تھا جب برصغیر کے بہت سے خطوں میں آزادی کی تحریکیں جاری تھی اور نو آبادیاتی جبر مشرقی اور افریقی ممالک تک محسوس کیا جارہا تھا چنانچہ "طلسم ازل"، "دست ستم گر"، "من و سلویٰ" اس قبیل کی نظمیں ہیں دورِ آمریت کی نظموں میں "آنکھیں کالے غم کی" کا تذکرہ ضروری ہے۔

اندھیرے میں یوں چمکیں آنکھیں کالے غم کی
جیسے وہ آیا ہو بھیس بدل کر آمر کا
آنے والے جابر کا !
سب کے کانوں میں بُن ڈالے مکڑی نے جالے
سب کے ہونٹوں پر تالے
سب کے دلوں میں بھالے !
اندھیرے میں یوں چمکے میلے دانت بھی غم کے
جیسے پچھلے دروازے سے آمر آ دھمکے(۵)

جوش ملیح آبادی کی شاعری میں مزاحمت وبغاوت کا عنصر موجود ہے۔ان کی بعض نظموں میں مزاحمتی لہجہ بھی احتجاج کی نعرہ زنی کرتا معلوم ہوتا ہے۔ مگر اپنی نظموں میں کہیں کہیں وہ پوری توانائی کے ساتھ مزاحمتی رویہ اختیار کرتے ہیں تو ان کا لہجہ اور شاعری کا رنگ دیگر شعرا سے ممتاز اور منفرد نظر آتا ہے۔"اتم آزادی"،"سرود وخروش"،"سموم وصبا" ان نظموں میں بغاوت کا عنصر موجود ہے۔

راشد کے مزاحمتی رویے کی حامل نظموں میں نئے گناہوں کے خوشے، طوفان اور کرن بے صدا صبح پلٹ آتی ہے، آرزو راہبر ہے، اندھا جنگل، دل مرے صحرا نورد، تیل کے سوداگر، درویش قابل ذکر ہیں۔

مجید امجد معاشرتی استحصال و جبر، عدم توازن اور عام زندگی میں پیش آنے والے واقعات کو پیش کرتے ہیں تنہائیوں اور خاموشیوں کی حامل ان کی شاعری عام انسان اور عام انسان کے مسائل کے گرد گردش کرتی ہے۔ طبقاتی اونچ نیچ انھیں تکلیف دہ صورتِ حالات میں مبتلا کرتی ہے اور ان کے انسانی تصور میں طبقاتی نظام کے خلاف مزاحمت کے لاتعداد مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ جبریت کا احساس انھیں بے چین رکھتا ہے۔ ان کی نظموں کا انسان اقدار کی شکست وریخت اور زندگی کی ارزانی کے دور میں بھی زندہ رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کی نظموں میں طبقاتی تضاد کا موضوع بھی دردمندی کا گہرا احساس پیدا کرتا ہے۔

صدر ایوب کی آمرانہ اور مارشل لا حکومت کے خلاف احتجاج کی پہلی مؤثر اور گرجدار آواز حبیب جالب کی تھی انھوں نے 1962 میں موجودہ حالات کے خلاف اپنی شہرۂ آفاق نظم "دستور" لکھی۔ یہ نظم ان کے شعری سفر میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے یہاں ان کی نظموں میں سیاسی شور وغل اور نعرے بازی کے واضح اثرات ملتے ہیں۔ کہتے ہیں:

دیپ جس کا محلات ہی میں جلے
چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر چلے
وہ جو سائے میں ہر مصلحت کے چلے
ایسے دستور کو صبح بے نور کو
میں نہیں مانتا ، میں نہیں مانتا
میں بھی خائف نہیں تختہ دار سے
میں بھی منصور ہوں کہہ دو اغیار سے
کیوں ڈراتے ہو زنداں کی دیوار سے
ظلم کی بات کو ، جہل کی رات کو
میں نہیں مانتا ، میں نہیں مانتا
ایسے دستور کو ، صبح بے نور کو
میں نہیں جانتا ، میں نہیں مانتا(۶)

نظم "جمہوریت" کا موضوع بھی جنرل ایوب کے اسی دستور کے خلاف احتجاج تھا۔ پیش نظر نظم کا عنوان بھی بنیادی جمہوریت کے نام سے نافذ کیے جانے والے اس دستور پر ایک طنز ہے یہ نظم معاشی نابرابری اور ریاستی جبر و تشدد کے خلاف عوام کو صف بستہ کرنے کی مہم معلوم ہوتی ہے۔

یہ ملیں یہ جاگیریں
کس کا خون پیتی ہیں
بیرکوں میں یہ فوجیں
کس کے بل پہ جیتی ہیں
کس کی محنتوں کا پھل
داشتائیں کھاتی ہیں
جھونپڑوں سے رونے کی
کیوں صدائیں آتی ہیں
جب شباب پر آ کر
کھیت لہلہاتا ہے
کس کے نین روتے ہیں
کون مسکراتا ہے
کاش تم کبھی سمجھو
کاش تم کبھی جانو
دس کروڑ انسانو!(۷)

معاشرتی خرابیوں کے خلاف مزاحمت کا رویہ جالب کی سیاسی سرگرمیوں کا نتیجہ تھا۔ قائد اعظم کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح نے ایوب خاں کے مدمقابل 1964 کے انتخابات میں حصہ لیا تھا۔ حبیب جالب نے صدر ایوب کے خلاف فاطمہ جناح کا ساتھ دیا اور مادرِ ملت کی انتخابی مہم میں جالب عوامی شاعر کے طور پر نمایاں ہوئے۔ ان کی پُرجوش نظمیں مادرِ ملت کے جلسوں کو نئی زندگی اور حرارت دیتی رہیں۔

گلی گلی میں جنگ ہوئی
خلقت دیکھ کے دنگ ہوئی
اہل نظر کی ہر بستی
جہل کے ہاتھوں تنگ ہوئی
وہ دستور ہمیں بخشا ہے
نفرت ہے جس کی بنیاد
صدر ایوب زندہباد (۸)

حبیب جالب کی نظمیں "مادرِ ملت" اور "ماں" اسی انتخابی مہم کا حصہ تھیں۔ اسی دور میں ایوب خان کی حکومت کی نام نہاد ترقی کی قلعی کھولتی ہوئی یہ خبر پھیلی کہ ملکی معیشت پر کل بائیس گھرانوں کی اجارہ داری ہے جالب کی نظم "بیس گھرانے" اسی امر سے متاثر ہو کر کہی گئی علاوہ ازیں جنرل ضیاء الحق مرحوم کے نافذ کردہ مارشل لا کے دور میں حبیب جالب کی مزاحمتی اور سیاسی نوعیت کا سلسلہ بھرپور انداز میں جاری رہا ان کی نظمیں "ریفرنڈم"، "ایک نہتی لڑکی" جنرل ضیا کے مارشل لا کے دور کی یادگار ہے۔ بنابریں ہمہ ان کی نظم "نیلو" شہنشاہی عہد کے جاہ و جلال اور جبر و استبداد کی یاد تازہ کرتی ہے۔ "پابہ زنجیر رقص" اردو شاعری میں مزاحمت کی حامل نظم ہے۔ پاکستان میں دورِ آمریت میں اظہارِ خیال پر پابندیاں عائد کی گئیں اور حکومت وقت کے خلاف بولنے والوں کو پابہ زنجیر کیا گیا۔ جالب بھی اس جرم کے مرتکب ہوئے تو انھیں بھی قید و بند کی صعوبتیں اٹھانی پڑیں۔ جالب کے نزدیک پاکستان کو معاشرتی عدل و انصاف، آزادی تحریک، روشن مستقبل اور خوب صورت روایات کا امین ہونا تھا، لیکن افسوس ایسا نہ ہو سکا۔

احمد فراز ادبی دنیا میں ایک رومانی شاعر کے طور پر متعارف ہوئے۔ اگرچہ ان کے ابتدائی مجموعہ کلام "تنہا تنہا" میں بھی بیش تر نظمیں واضح طور پر مزاحمتی اور اجتماعی رنگ کی حامل ہیں لیکن فراز کے بعد کے دور کی شاعری کا نمایاں رنگ مزاحمتی اور احتجاجی نوعیت کا حامل ہے فراز کی نظمیں ایک گھٹن زدہ معاشرے کی نشان دہی کرتی ہیں لیکن شاعر کو یقین ہے کہ ظلم کا خاتمہ ہو گا اور حق کی فتح ہو گی، ڈاکٹر سید اختر جعفری لکھتے ہیں:

> "فراز نے کسانوں کی زبوں حالی، مزدوروں کی کسمپرسی، غریبوں کی پسماندگی، مظلوم کی بے بسی، سفید پوشوں کی تنگ دستی، خط غربت سے نیچے زندگی بسر کرنے والوں کی فاقہ کشی اور خودکشی کی دل سوز تصویریں اپنی نظموں اور غزلوں میں اس انداز سے کھینچی ہیں کہ پڑھ کر سنگ دل سے سنگ دل شخص پر بھی رقت طاری ہو جاتی ہے اور وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے"۔(۹)

فراز کی شاعری انسان کی بے حرمتی، استحصال، انسانیت اور جمہوریت کی پامالی کے خلاف سراپا احتجاج ہے۔ جبر و استبدادی قوتوں کے خلاف اٹھا کر انھوں نے عزم و ہمت حوصلے اور ولولے، قوم اور قومیت کی سالمیت کے لیے جوش و جذبے کو پیش کیا۔ فراز نے عوام اور قوم کے جذبات اور آواز کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ انھوں نے اپنی پُر عزم شاعری کے ذریعے لوگوں میں جبر و استحصال کی مخالفت کی اور انسانی محرومی ولاچاری کے خلاف مزاحمت کرنے کی تحریک پیدا کی۔ حمید اختر لکھتے ہیں:

"بعض لوگوں کی موجودگی ہی، اس امر کی ضامن ہوتی ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے ظلم، جبر اور ہر قسم کی ناانصافی کے خلاف مزاحمت جاری رہے گی۔ فراز بھی ایک ایسا ہی انسان تھا"۔(۱۰)

مزاحمت اور احتجاج فراز کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ ۱۰ احمد فراز کی نظموں میں یہ مزاحمتی اور باغیانہ رنگ قدرے نئے انداز میں دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے اپنی نظموں میں ایک حساس، آزاد منش جمہوریت پسند شخص، آزادیِ اظہار، آزادیِ رائے، استحصال، استبدادی قوتوں، پُر آشوب عہد، محرومی، بے کسی، آمریت و جمہوریت، انسانی مسائل، مزاحمتی عناصر، انقلابی رویوں پر خاص توجہ دی انھوں نے انسانوں میں موجود انسانی اقدار، آزادیِ افکار اور آزادیِ اظہار کے معنوں کو وسعت بخشی۔ انھوں نے انسانی زندگی کے مسائل، شخصی حقیقتوں اور صداقتوں کا ادراک بلاخوف سیاسی رمزیت سے بیان کیا وہ جانب دارانہ فیصلوں اور اعمال کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔

"حبیب جالب کے بعد پاکستان میں اگر کسی شاعر نے اپنے کلام میں واشگاف انداز میں جمہوریت، آزادیِ فکر اور عوام کے حقوق کے استحصال کو بیان کیا ہے تو وہ یقیناً احمد فراز ہیں"۔(۱۱)

فراز ایک حریت پسند انقلابی شاعر تھے انھوں نے جب اپنی آنکھوں کے سامنے چیختی چلاتی اور کراہتی انسانیت کو بے وقعتی، حقارت اور استبدادی قوتوں کا شکار، بے آبرو دیکھا تو فوری طور پر ان محکوم اور کچلے ہوئے لوگوں کو حق و انصاف اور مکمل طور پر آزادی دلانے کے لیے بے چین ہو گئے۔ اس ضمن میں انھوں نے اپنے قلم کو بطور احتجاج استعمال کیا۔ احمد ندیم قاسمی فراز کے احتجاجی رویے کے متعلق لکھتے ہیں:

"اس نے جہاں انسان کی محرومیوں، مظلومیتوں اور شکستگیوں اپنی... نظم کا موضوع بنایا ہے وہیں ظلم و جبر کے عناصر اور آمریت و مطلق العنانی پر بھی ٹوٹ کر برسا ہے"۔(۱۲)

ہمیں یہ سوچنا ہو گا کہ زندگی اپنی
فضا کے دہر میں کیوں موت سے بھی سستی ہے
ہم اہل مشرق ہیں سورج تراشنے والے
مگر ہماری زمیں نور کو ترستی ہے (۱۳)

فراز نے پاکستان کی تاریخ کے قریباً سبھی ادوار کا قریب سے مشاہدہ کیا۔ وہ دیگر شعرا کے مانند ریاستی جبر کا نشانہ بنائے گئے۔ اس وجہ سے احمد فراز کی نظموں میں اس ریاستی جبر و استبداد کے خلاف احتجاج سب سے نمایاں ہے چونکہ حق اظہار پر لگنے والی قدغن دانشور اور فن کار کے لیے سب سے بڑا جبر ہوتا ہے۔ اس لیے فراز کی نظموں میں اس ریاستی جبر کی شدید مخالفت پائی جاتی ہے۔ ان کی اس قبیل کی نظموں میں "قاتل"، "اے بھوکی مخلوق"، "خیر مقدم"، "اے میرے وطن کے خوش نواؤ"، "یہ کھیت ہمارے ہیں یہ کھلیان ہمارے" شامل ہیں۔ احمد فراز کی درج ذیل نظم کسی ہنگامی واقع سے متاثر ہو کر شاعر کے فوری رد عمل کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے ممکن ہے یہ نظم ذوالفقار علی بھٹو یا کسی اور حکمران کے ذریعے چلائی گئی اراضی اصلاحات سے متاثر ہو کر کہی گئی ہو:

یہ کھیت ہمارے ہیں یہ کھلیان ہمارے
پورے ہوئے اک عمر کے ارمان ہمارے
اب دیس کی دولت نہیں جاگیر کسی کی
اب ہاتھ کسی کے نہیں تقدیر کسی کی
پاؤں میں کسی کے نہیں زنجیر کسی کی
بھولے گی نہ دنیا کبھی احسان ہمارے
یہ کھیت ہمارے یہ کھلیان ہمارے (۱۴)

فراز کی نظموں میں مزاحمتی عناصر کا کینوس بہت زیادہ وسیع نہیں۔ چند مثالوں سے مستثنیٰ ان نظموں کے موضوعات پاکستان کے سیاسی حالات کے گرد و پیش ہی گردش کرتے ہیں۔ شاعر کی نظریاتی وابستگی کی وجہ سے یہ نظمیں بعض مقامات پر جذباتیت اور عدم توازن کا شکار بھی دکھائی دیتی ہیں۔ اگرچہ نظموں کے مانند فراز کی غزلوں میں مزاحمتی رویہ زیادہ پایا جاتا ہے چونکہ وہ ایک مخصوص سیاسی نظریے کے حامی تھے لہٰذا ان کی غزلوں میں بھی کم و بیش وہ تمام مضامین نظر آتے ہیں جن کو نظمیہ شاعری میں بھی برتا گیا ہے۔ فراز کی نظمیں نہ صرف قارئین کے جذبات کو تسکین پہنچاتی ہیں بل کہ انھوں نے وطن اور عہد حاضر کے حوالے سے بھی بے مقصد اور مزاحمتی شاعری کر کے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

ظہور نظر کی نظموں میں بھی پاکستان کے مختلف سیاسی ادوار کے ارتعاشات دکھائی دیتے ہیں انھوں نے ایوب خان، بھٹو اور ضیاء الحق کے مارشل لا کے دور میں اپنے اجتماعی رد عمل کا نہایت مؤثر اور دل نشین انداز میں اظہار کیا۔ ان کی نظمیں مارشل لا ادوار کی جبریت کے خلاف صدائے احتجاج ہیں۔ فارغ بخاری تمام عمر مصلحتوں سے گریزاں رہے اور سچائی کا پرچار کرتے رہے حق و صداقت سے فرار ان کے نزدیک ایک گناہ ہے۔ ان کی کتاب "بے چہرہ سوال" اور نظم "تم سے پہلے" مزاحمتی ادب کا قابل ذکر حوالہ ہے۔ کہتے ہیں:

گنگ نہ ہو کر رہ جائے تاریخ مری
اہل فن کو سچی بات اگلنے دو
سیدھی راہوں کس نے منزل پائی ہے
گمراہی سے گام ملا کر چلنے دو
کوئی تو اس دور کا بھی سقراط بنے
یارو ہمیں یہ زہر اب نگلنے دو (۱۵)

شورش کاشمیری، نصراللہ خان عزیز، نعیم صدیقی اور محسن بھوپالی کی منظومات مزاحمتی ادب کی شاندار مثالیں ہیں۔ شورش کاشمیری کی نظم "ستم نواز مسخرے" مزاحمتی ادب کا قابل ذکر حوالہ ہے۔ ان کے اشعار میں سیاست اور معاشرت پر تنقید اور شدید احتجاج کا رویہ نمایاں ہے ان کی شاعری معاشرے کے مظلوم طبقات کی آواز ہے۔ پاکستانی نظم کے افق پر ابھرنے والا ایک اہم نام نصیر احمد ناصر کا ہے ان کی نظم "تیسری دنیا" مزاحمتی ادب کے حوالے سے ایک اہم نظم ہے۔

حمایت علی شاعر نظریاتی طور پر ترقی پسند شاعر ہیں انھوں نے بطور خاص پاکستان کے مہاجرین کو موضوع بنایا اس موضوع پر کہی گئی ان کی نظموں میں شدت احساس موجود ہے۔ پاکستان کے نسلی تنازعات نے مہاجرین کو بے زمینی کے احساس سے دوچار کیا حمایت کی نظمیں "مریم سے ایک سوال"، "بے زمین نسل کا نوحہ"، "موہن جو داڑو"، "دوسرا آدمی"، "اعتراف"، "نسبت خاک"، "پرانے سلسلے نئے رابطے"، "یوسف ثانی"، "ید بیضا" مزاحمتی فکر کی عکاس ہیں۔

افتخار عارف کی شناخت بنیادی طور پر ایک ایسے شاعر کے طور پر کی جاتی ہے جنھوں نے سانحہ کربلا اور خانوادۂ رسولؐ سے منسلک کردار و واقعات کو اپنی شعری جمالیات کا حصہ بنایا۔ بنابریں ہمہ انھوں نے اپنی نظموں میں معاشرہ کی وہ مسخ شدہ ذہنیت بھی منعکس کی ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے اہل سیاست، اہل دین کی بے ضمیری، خلق خدا کی شورش، غرض مزاحمت کا کم و بیش ہر رنگ ان کی نظموں میں موجود ہے۔

افتخار عارف کی شاعری میں عصری حالات کی عکاسی، ظُلم و جبر کے خلاف احتجاج اور مزاحمت بھی دکھائی دیتی ہے جس دور میں افتخار عارف نے شاعری شروع کی وہ ملک میں آمریت کا دور تھا اس لیے وہ گھٹن کے ماحول میں احتجاج کر کے کھلی فضا کا مطالبہ کرتے ہیں:

کوئی تو پُھول کِھلائے دُعا کے لہجے میں
عجیب طرح کی گھٹن ہے ہوا کے لہجے میں (۱۶)

افتخار عارف نے علامت اور استعارات کے پردوں میں مزاحمت کا اظہار کیا وہ کہیں ظلم اور ظالموں کو سخت ہوا، کبھی رات اور جنگل کی علامتیں استعمال کر کے وطن میں آمریت اور جبر کو موضوع بناتے ہیں کہیں وہ کشمیر پر ہونے والے ظلم و ستم پر گریہ وزاری کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں کہیں کہیں طنز کا عنصر بھی نظر آتا ہے۔ مثلاً:

غیروں سے دادِ جور و وفا لی گئی تو کیا
گھر کو جلا کے خاک اُڑا دی گئی تو کیا
غارت گریِ شہر میں شامل ہے کون کون
یہ بات اہلِ تشہیر پہ کھل بھی گئی تو کیا (۱۷)

افتخار عارف کی نظموں "آخری آدمی کا رجز"، "قصہ ایک بسنت کا"، "ایک رُخ"، "خوف کے موسم میں لکھی گئی ایک نظم"، "خون بہا"، "احتجاج"، "التجا"، "جھوٹ"، "اعلان نامہ"، "استغاثہ" میں مزاحمتی انداز واضح دکھائی دیتا ہے۔ علاوہ ازیں اردو ادب میں کئی شاعر ہیں جنھوں نے اپنے خاص انداز میں لوگوں میں اپنے حقوق کے حصول کے لیے جدوجہد کرنے اور ظلم کے خلاف ڈٹ جانے کا حوصلہ پیدا کیا ان میں تاج سعید، انجم خلیق، انوار فطرت، اقبال حیدر اور جمیل ملک وغیرے کے نام شامل ہیں۔

خواتین کے متعلق عام طور پر یہ تاثُر عام ہے کہ وہ رومانی اور عشقیہ جذبات کے موضوعات کو ہی شاعری میں پیش کر سکتی ہیں۔ لیکن کچھ خواتین نے عشقیہ شاعری کے علاوہ حالات کی نزاکت، معاشرتی تبدیلیوں کا بھرپور اظہار اپنی شاعری میں کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد حکومتیں عوامی توقعات پر پورا نہ اتر سکیں۔ آمریت کا طویل دورانیہ بھی چلا۔ مارشل لا کا دور بھی آیا۔ خواتین شعرا نے بھی ان حالات وواقعات پر کھل کر اظہار کیا۔ ترقی پسند تحریک سے متاثر شاعرہ ادا جعفری کی نظمیں سیاسی اور سماجی شعور کی عکاس ہیں وہ کچلے ہوئے، زخم کھائے ہوئے انسانوں کی نمایندگی کرتی ہیں۔ ان کے لہجے میں مزاحمت اور انقلاب کے نغمے سبک اور شیریں لے میں دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ملکی اور عالمی اور ملی حالات سے دلبر داشتہ ہیں۔ مسلمانوں کی کسمپرستی پر خون کے آنسو روتی ہیں لیکن پھر بھی امید کا دامن تھامے رکھتی ہیں۔ انھیں قوی امید ہے کہ ایک دن ظلم و جبر کے بادل چھٹ جائیں گے۔

تیرگی میں کبھی اور کبھی دُھوپ میں
زندگانی کے ماتھے کا ٹیکا صدا جگمگاتا رہا
سچ کہو دوستو ، سچ کہو ساتھیو(۱۸)

کشور ناہید انسانی حقوق کی علمبردار ہیں۔ "لبِ گو" کی شاعری میں ان پر بھی جذبۂ فکر حاوی نظر آتا ہے۔ ابتدا میں کشور کی بغاوت اپنے عورت پن سے تھی لیکن کچھ عرصہ بعد یہی بغاوت ذات کی تنگنائے سے نکل کر پورے نظام کے خلاف ایک جنگ میں تبدیل ہو گئی۔ عالمی منظر نامے پر بھی کشور کی گہری نظر ہے۔ دنیا تیسری جنگِ عظیم کی طرف جا رہی ہے۔ کشور ناہید کے ہاں یہ المیہ ایک بہت بڑا دُکھ بن جاتا ہے۔

پدری نظام معاشرے کے پیدا کردہ جبر کے خلاف شعری مزاحمت کرنے والی اردو شاعرات میں کشور ناہید کا نام معتبر ہے۔ یوں تو کشور ناہید نے غزل، نظم دوہے سبھی اصناف میں اظہارِ خیال کیا مگر نظمیں اور خصوصاً نثری نظمیں ان کی سخن طرازی کا اصل میدان ہے۔ انھوں نے اپنی نظموں میں پدری معاشرے کے پیدا کردہ مسائل کا شکار متوسط طبقے کی خواتین کی زندگی کی ترجمانی کی۔ کشور ناہید نے اپنی نظموں میں صدیوں سے پدری جبر کا شکار عورت کی کہانی بیان کی ہے۔ انھوں نے جنسی عدم مساوات اور ازدواجی الجھنوں کا شکار، تشنگی کا احساس لیے تنہائی کی اسیر عورت کے المیے کو نظم کی صورت میں بیان کیا ہے اس نوع کی نظموں میں "گھاس تو مجھ جیسی ہے"، "سمجھوتا"، "آخری خواہش"، "رات آتی ہے"، "نیلام گھر"، "موم محل"، "میں کون ہوں"، "اے کاتب تقدیر لکھ" شامل ہیں۔ ان نظموں میں ماحول کی جبریت، عورت کی جذباتی کشمکش، خوف اور معاشرتی تضادات سے نبر آزما ہونے کی خواہش کا اظہار ملتا ہے۔ کشور ناہید مغربی شاعری سے متاثر ہونے کے باوجود ایک مشرقی عورت کے ذہن سے سوچتی ہیں۔ اس خصوصیت نے ان کے لب و لہجے کو منفرد بنایا مگر ان کی مزاحمتی آواز صداقتوں کی آئینہ دار ہے وہ کہتی ہے:

بہن، بیوی اور ماں کے رشتوں
کی خاطر جینے والی
تم اپنے لیے، بھی تو جیو!
دیکھو کنول کا پھول کیسے عالم
اور کیسے ماحول میں اپنی انا
اور اپنے وجود کا اعلان کرتا ہے (۱۹)

فہمیدہ ریاض ایک نڈر اور بے باک شاعرہ ہیں۔ فہمیدہ ریاض کی مزاحمت کے دو واضح پہلو ہیں ان میں اولیں اور اہم پہلو خواتین پر ہونے والے جبر و استحصال کے خلاف مزاحمت ہے جس کی مختلف صورتیں ہیں ان کی شاعری میں مردانہ ذہنیت کے علاوہ کھلم کھلا احتجاج دکھائی دیتا ہے۔

فہمیدہ ریاض نے اپنی نظموں میں پدری ذہنیت اور پدری معاشرے کو موضوع بنایا۔ ہماری پدری نظام معاشرہ کی ذہنیت نے عورت کو محض گوشت پوست سے بنا ایک ایسا خوب صورت انسانی ڈھانچہ تصور کر رکھا ہے جس کا مصرف مرد کو جنسی آسودگی فراہم کرنا اور بچے پیدا کرنے تک محدود ہے۔ فہمیدہ ریاض نے اپنی نظموں میں اس پدری ذہنیت کو ہدف ملامت بنایا ہے۔ انھوں نے چند ایسے واقعات و موضوعات کو اپنی نظموں میں بیان کیا ہے جو صرف پاکستانی معاشرے سے ہی مخصوص ہیں۔ اس نوع کی نظموں میں "چادر اور چار دیواری"، "نینا عزیز"، "باکرہ"، "راج سنگھاسن"، "پتھر کی زبان"، "گڑیا"، "حاشیہ"، "آدمی کی زندگی" قابل توجہ ہیں۔

فہمیدہ معاشرے کی اس روش پر بھی احتجاج کرتی ہیں جس کے تحت والدین اپنی بیٹیوں کی شادی ان کی مرضی کے مرد سے کرنے کے بجائے کسی امیر گھرانے میں کر دیتے ہیں جہاں اسے زندگی کی تمام آسائشیں تو دستیاب ہیں، لیکن شوہر کی محبّت کو تمام عمر ترستی رہتی ہے۔ نسائی ادب کو ایک نئی جہت عطا کرنے والی شاعرہ فہمیدہ ریاض کی زندگی آمرانہ رویوں کے خلاف جدوجہد کرتے گزری۔ ہندوستان میں پیدا ہو کر پاکستان منتقل ہوئیں لیکن آمرانہ دور میں ان کی آواز کو دبانے کے لیے کئی مقدمے کیے گئے لہٰذا انھیں ملک چھوڑ کر واپس بھارت جانا پڑا۔ ابتدا سے ہی ان کی شاعری میں ایک بے باکی کا اظہار پایا جاتا ہے ان کی نظم "گڑیا" میں عورتوں کے استحصال پر طنز کیا گیا ہے اور شاعرہ کے لہجے میں مزاحمت بھی پائی جاتی ہے۔

چھوٹی سی ہے
اسی لیے اچھی لگتی ہے
بٹوا جیسے ہونٹ ہیں اس کے اور رخساروں پر سُرخی ہے
نیلی آنکھیں کھولے، بیٹھی تاک رہی ہے
جب جی چاہے کھیلو اس سے
الماری میں بند کرو اس کے ننھے لبوں پر کوئی پیاس نہیں ہے
نیلی آنکھوں کی حیرت سے مت گھبراؤ اسے لٹا دو
پھر جیسے یہ سو جائے گی(۲۰)

آمریت کے دور میں پروین شاکر کی شاعری کا لہجہ تیز اور ذائقہ تلخ سے تلخ تر ہوتا چلا گیا۔ وہ شاعری میں سوالات کرتی ہیں ایسے سوالات جن کے جواب تا حال تشنہ ہیں۔ پروین شاکر کی ذات حُسن اور پیار و محبّت کی خوشبو سے چلی مگر ہمارے عالمی و ملکی جبر اور عہد انحساب نے اسے شہر کے مرثیہ پر مامور کر دیا۔

پروین شاکر کی نظموں میں معاشرتی پابندیوں کا عکس نظر آتا ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے عورت کی بے چارگی، مرد و زن کے مابین تصادم، عائلی زندگی کی الجھنوں، عورتوں کو درپیش مسائل، ظلم و جبر اور استحصال کی عکاسی کی ہے اس نوع کی نظموں میں "کنیادان"، "بشیر کے گھر والی"، "کتوں کا سپاس نامہ" شامل ہیں۔ ان نظموں میں حسرت و یاس کا غلبہ ہے۔ ان کی نظموں میں بنت حوا اپنے ازلی ساتھی ابن آدم کے موقع پرستانہ رویے پر نوحہ کناں ہے انھوں نے پدری جبر کے خلاف احتجاج کو اپنی تخلیقات کو نظموں کی صورت میں پیش کیا۔ پدری نظام معاشرہ کے جبر کے خلاف قلم اٹھانے والی شاعرات میں زہرا نگار بھی شامل ہیں ان کی بیش تر نظموں میں ایک ایسی عورت کی تصویر اُبھرتی ہے جس کی شادی اس کی مرضی کے خلاف ایک رئیس گھرانے میں کر دی جاتی ہے اور جو تمام روایتی عائلی اقدار کو احسن طریقے سے نبھانے کے باوجود اپنی زندگی میں گھٹن محسوس کرتی ہے۔ مثلاً

بال بال موتی پرواؤں
پور پور میں ہیرے پہنوں
کام کاج کا پلو ڈالے !
دن بھر گھر سے الجھوں سلجھوں
رات کو لیکن آنکھیں موندے
پچھلی رُت کا ساون دیکھوں
ہیرے لعل بکھرتے جائیں
محل دو محلے ہٹتے جائیں
چھوٹے آنگن ، نیچے کمرے
دور دور سے ہاتھ ہلائیں
بیتے لمحے جگنو ایسے
اُڑتے اور چمکتے آئیں
جگ مگ جگ مگ سونے جیسا
گھر سب کی نظروں میں آیا
بھیگا آنچل ، پھیلا کاجل
کسی نے دیکھا کس نے چھپایا (۲۱)

ان نظموں میں معاشرتی ضابطوں سے انحراف اور بغاوت کا عمل دخل ملتا ہے۔ اس نوع کی نظموں میں مری سہیلی، سوچتی ہوں میں اپنے رستے لوٹ جاؤں، گل چاندی، تال میل، ایک لڑکی، سمجھوتا شامل ہیں۔ ان نظموں میں ایک عورت کا دردانگیز لہجہ اپنے قارئین پر دیرپا اثر چھوڑتا ہے۔

عذرا عباس کے شعری مجموعوں "میز پر رکھ ہاتھ" اور "نیند کی مسافتیں" میں ایک ایسی عورت نظر آتی ہے جو "بڑے شہروں کی مشینی زندگی میں جاری و ساری پدری جبر کا شکار ہے۔ صنف نسواں کے اس طبقے کی ترجمانی کرتی ہے جو مرد و زن کی کشمکش کو کسی فلسفے کی پیروی میں ایک وسیع افق پر دیکھنے کی بجائے نجی تجربات تک محدود رکھتی ہے"۔ عذرا کی نظموں میں عورت بنیادی حقوق سے ناواقفیت کی بنا پر اپنی حالت پر قانع ہے۔ انھوں نے معاشرے کے تضاد و منافقت کو رقم کرنے کے علاوہ جیلوں میں قید عورت کی اجتماعی عصمت دری کی جانب بھی اشارہ کیا ہے۔

پدری جبر کے خلاف اظہارِ خیال کرنے والی شاعرات میں نسیم سید بھی شامل ہیں انھوں نے انسانیت سوز فعل، زنا بالجبر، عورت کے خلاف مردانہ تشدد غرض معاشرتی رویوں کی منافقانہ فعل کی عکاسی کی۔ انھوں نے اپنی نظموں میں متمول گھرانوں میں شادی شدہ عورت کی ہتک آمیز زندگی کی منظر کشی کی ہے۔ اس نوع کی نظموں میں "کچے دھاگے"، "جہیز میں کتاب تھی"، "آدھی گواہی"، "کچی بستی"، "میرے فن کار" ان کی تخلیقی صلاحیتوں کی غماز ہیں۔ ان کی نظموں میں شدید قسم کا احساسِ جبر بھی ہے اور مزاحمت کا جذبہ بھی۔ وہ تاریخ، تہذیب اور مذہب سبھی کو تنقید کا نشانہ بناتی ہیں۔

عشرت آفرین کی نظموں میں پدری جبر کے خلاف مزاحمت کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے۔ ان کی نظموں میں پدری جبر کی شکار ایک ایسی حساس اور نو عمر لڑکی نظر آتی ہے، جس کو اپنے تشخص کا ادراک تو ہے مگر اس کے اظہار کا شعور ابتدائی مرحلے میں ہے۔

شبنم شکیل کی نظموں میں ایسی عورت کا عکس نظر آتا ہے جو اپنے اندر شدید گھٹن کا شکار ہے مگر لب کشائی کا حوصلہ نہیں رکھتی۔ یہاں معاشرے کے اس اخلاقی ضابطے کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں عورتوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک اور جبر پر خاموش رہیں۔ ضبط و تحمل کا مظاہرہ کریں کیونکہ اس میں ان کی عظمت پنہاں ہے۔ شوہر کی نااتفاقی ہمارے معاشرے کی سہاگنوں کا ایک بڑا درد ہے ان کی شاعری میں پدری جبر روایتی قسم کے متوسط گھرانوں میں پائی جانے والی تہذیبی فضا کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔ شاہدہ حسن کی نظموں میں پدری ضابطے کے خلاف مزاحمت کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ جس کے تحت شادی کے بعد والدین کا گھر چھوڑ کر اپنی زندگی سسرال میں گزارنا پڑتی ہے۔ معاشرے میں رائج عائلی ضابطے نہایت ہی غیر منصفانہ ہیں اس کے سبب شادی شدہ عورتوں کو ایک عدم تحفظ کا احساس رہتا ہے ان کی نظمیں عائلی تعلقات کی بے بضاعتی کے احساس سے بھرپور ہیں۔ اس کے علاوہ سارہ شگفتہ، یاسمین حمید کی نظموں میں بھی پدری جبر کے خلاف مزاحمتی رویہ پایا جاتا ہے۔ انھوں نے عورت کے متعدد مسائل کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا۔

ہر بڑا تخلیق کار اپنی تحریروں میں انسانی زندگی و معاشرے سے وابستہ تجربات بیان کرتا ہے اس بیان میں جہاں ایک طرف فن کار کے عہد کے تجربات قارئین پر منکشف ہوتے ہیں وہیں اگر وہ تجربات صداقت پر مبنی آفاقی نوعیت کے ہوں تو وہ اپنی معنویت برقرار رکھتے ہیں۔ مزاحمتی ادب اپنے اندر ایک مقصد رکھتا ہے یہ مقصد انصاف و مساوات پر مبنی ایک اچھے معاشرے کا قیام ہے۔ مزاحمت کے عمل میں سب سے دشوار مرحلہ وہ ہوتا ہے جب ریاستی جبر و استبداد اپنے عروج پر ہو۔ پاکستان میں ہر آمر نے اپنے دورِ حکومت میں ہر اس آواز کو قوت کے زور پر کچلنے کی کوشش کی جو اس کے خلاف بلند کی گئی۔ ان نامساعد حالات میں جن افراد کے پایہء تخت استقلال میں لغزش نہیں آتی وہی لوگ مزاحمت کے راستے سے گذرتے ہوئے انقلاب برپا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر آغا ظفر حسنین لکھتے ہیں:

"راستے کی رکاوٹیں، ریاست کا جبر و استبداد، اہل ریاست کی ریشہ دوانیاں، مذہبی منافرت، یہ سب ہمیشہ سے خلق کی راہ روکتے آئے ہیں اور جب تک ان کے خلاف احتجاج و مزاحمت کی لے بلند و پر شور نہیں ہو گی تب تک انقلاب کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو گا"۔(۲۲)

محولہ بالا تمام شعرا نے اپنے جذبہ و احساس سود و زیاں سے بے پرواہو کر عوام کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ ان نظموں میں بے چینی اور معاشرتی بے اطمینانی کے خلاف احتجاج علامتوں اور نئے استعاروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ اپنی تمام تر شعوری صلاحیتیں معاشرے کے سدھار اور ناروا رویوں کے خلاف شدید رد عمل میں صرف کیں انھوں نے ظلم و جبر دیکھ کر دوسرے مصلحت پسند لوگوں کی طرح خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ عصری شعور کی بدولت ہر چیز کا مکمل فہم و ادراک رکھتے ہوئے استحصالی عناصر کی پر فریب چالوں، وحشت و بربریت، جبر و استبداد کے ہر انداز، ظلم و سفاکیت کے خلاف مزاحمت کی اور تاحیات مزاحمتی نظمیں تخلیق کر کے انصاف کی مشعل جلا کر سامراجی و آمرانہ قوتوں کا جواب دیا۔

حوالہ جات:

۱۔ روبینہ سہگل: "عورت اور مزاحمت"، مشعل لاہور، 1994، ص23۔
۲۔ ڈاکٹر محمد حسن: "مزاحمتی ادب" مشمولہ عصری ادب شمارہ نمبر 29، 30، 1977، ص38، 39۔
۳۔ فیض احمد فیض: "نسخہ ہائے وفا"، مکتبہ کارواں لاہور، 1984، ص82، 81۔
۴۔ فیض احمد فیض: "نسخہ ہائے وفا"، مکتبہ کارواں لاہور، 1984، ص127۔
۵۔ ن۔م۔ راشد: "کلیاتِ راشد"، کتابی دنیا دہلی، 2004، ص326۔
۶۔ حبیب جالب: "کلیاتِ حبیب جالب"۔
۷۔ حبیب جالب: "کلیاتِ حبیب جالب"، ص131۔
۸۔ حبیب جالب: "کلیاتِ حبیب جالب"۔
۹۔ ڈاکٹر سید اختر علی جعفری: "احمد فراز کی شعری جہتیں"، مشمولہ "ماہِ نو"، احمد فراز نمبر، جلد 62، شمارہ جنوری 2009، لاہور، ص332
۱۰۔ حمید اختر: "زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے"، ص15۔
۱۱۔ انور زاہدی: "کر گئے کوچ کہاں کوچہ جاناں والے"، مشمولہ "کتاب بیادِ احمد فراز" اکتوبر 2008 تا 2009، ص50۔
۱۲۔ احمد ندیم قاسمی: "فراز کی شاعری ایک مختصر تاثر"، مشمولہ "خواب گل پریشاں ہے"، کلیاتِ احمد فراز، "شہر سخن آراستہ ہے"، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، 2004، ص1288۔
۱۳۔ احمد ندیم قاسمی: "فراز کی شاعری ایک مختصر تاثر"، مشمولہ "خواب گل پریشاں ہے"، کلیاتِ احمد فراز، "شہر سخن آراستہ ہے"، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، 2004، ص1199۔

۱۴۔ احمد ندیم قاسمی: "فراز کی شاعری ایک مختصر تاثر"، مشمولہ "خواب گل پریشاں ہے"، کلیاتِ احمد فراز، "شہر سخن آراستہ ہے"، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، 2004، ص84، 85۔
۱۵۔ کشور ناہید: "دائروں میں پھیلی یکسر"، نئی آواز دہلی، 1987، ص31۔
۱۶۔ افتخار عارف "مہر دو نیم" پورب اکادمی اسلام آباد، 2013، ص122۔
۱۷۔ افتخار عارف، جہانِ مظلوم، پورب اکادمی، اسلام آباد، 2013، ص43۔
۱۸۔ ادا جعفری، "سازِ زخمِ بہانہ ہے"، مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، 1988، ص57۔
۱۹۔ زہرا نگار: "شام کا پہلا تارہ"، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی، 1980، ص32، 33۔
۲۰۔ فہمیدہ ریاض "میں مٹی کی مورت ہوں"، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، 1988، ص42۔
۲۱۔ ڈاکٹر آغا ظفر حسنین: "مزاحمت اور پاکستانی اردو شاعری"، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، 2007، ص306۔
۲۲۔ ڈاکٹر آغا ظفر حسنین: "مزاحمت اور پاکستانی اردو شاعری"، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، 2007، ص124۔

☆☆☆☆☆